تحریر: طنطاوی

ایک حاکم ایک عالم کی بارگاہ میں

ترجمہ: نعیم صدیقی اعظمی

مجھ سے میرے بزرگوں نے ایک چشم دید واقعہ بیان کیا کہ:-

۱۸۳۱ء کی ایک خوشگوار صبح تھی۔ لوگ حسبِ معمول اپنے گھروں میں منہمک تھے کہ دمشق کے سب سے بڑے محلہ "حی المیدان" کے در و دیوار اس ہوش رُبا خبر سے گونج اٹھے کہ حاکمِ وقت ابراہیم پاشا کے مشہور عالم شیخ سعید حلبی ان کے مستقر مسجد میں شرف نیاز حاصل کرنے آ رہا ہے۔

ابراہیم پاشا کی باجبروت شخصیت محتاج تعارف نہیں، جس نے اپنے قوتِ بازو سے شام کو فتح کیا تھا اور اس کا بہت ہی ظالم فرماں روا تھا، اور جو بات کو سننے اور سمجھنے سے پہلے ہی تلوار بے نیام کر لیتا تھا۔

اس جاں کاہ خبر سے "میدانوں" میں اضطراب و پریشانی کے آثار پیدا ہونے لگے، باوجود اس کے کہ وہ دمشق کے مشہور شہسوار اور جاں باز تھے، ایک دوسرے سے مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیے، کیوں کہ وہ لوگ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ شیخ سعید کے نزدیک دنیاداروں کا کوئی وزن نہیں ہے۔ بنا بریں نہ تو وہ کسی بادشاہ کی تعظیم بجالاتے ہیں۔ معیاری انسان وہ تھا جس کا اندرون فضائل سے معمور ہو، اور جس کا دل شمع ایمان سے منور ہو۔ نیز جس کا ذہن و دماغ علم کی دولت سے مالا مال ہو۔ یہی وجہ تھی کہ جس کو ظاہر بین "بڑا" سمجھتے تھے شیخ جب اس کے باطن میں جھانکتے تو وہاں ویرانی کا دور دورہ ہوتا۔

باشندگان "حی المیدان" کو اس کا مطلق کوئی خوف و اندیشہ لاحق نہ تھا کہ پاشا کی جانب سے شیخ

کو کوئی ضرر پہنچ سکتا ہے۔ کیوں کہ شیخ کا وقار اور اس کا جاہ و جلال جس کو ظاہر بین نگاہیں دیکھنے سے قاصر ہیں۔

اس بات کو محال سمجھتا تھا، بلکہ ان کا خوف و ڈر جو کچھ تھا وہ یہ کہ شیخ کی طرف سے پاشا کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے جس کا نتیجہ ان کی تباہی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

غرض انھوں نے پاشا کے شایان شان استقبال کی تیاریاں شروع کر دیں گذرگاہ پر بڑے بڑے پھاٹک بنائے اور ان کو جھنڈیوں سے آراستہ پیراستہ کیا، فتح و نصرت کے کلمات سے مزین کتبات آویزاں کیے گئے۔

بارے سہ پہر کو پاشا کی آمد آمد کا غلغلہ بلند ہوا، خدم و حشم کے ایک جم غفیر کے درمیان شاہی سواری نظر آئی یمین و یسار باڈی گارڈ اور حفاظتی دستہ تھا۔ اس شان و شوکت کے ساتھ دھیرے دھیرے جلوس شیخ سعید کی مسجد کے سامنے پہنچ گیا، مسجد کا دروازہ چونکہ قصیر القامت تھا اس لیے پاشا کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ زبان حال سے اس سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہو۔

"یا تو تم بھی واپس چلے جاؤ یا اپنی اس "دنیا" کو واپس کر دو چوں کہ تم خدا کے گھر میں ایک بشر خاضع کی حیثیت ہی سے داخل ہو سکتے ہو"

راوی کا بیان ہے کہ پاشا چند ثانیے متفکر رہا اور پھر اپنے اعوان و انصار کو دور ہٹ جانے کا حکم صادر کیا، اس کے بعد خود تنہا پیادہ پا مسجد میں داخل ہوا ٹھیک اسی وقت شیخ ایک چٹائی پر بیر پھیلائے بیٹھے ہوئے تھے اور اُن کے منہ سے نصائح حکمتوں کے پھول جھڑ رہے تھے.....

اور جب انسان خدا سے ڈرتا ہے تو اس سے ہر چیز خوف کھاتی ہے، اس لئے کہ وہ جب بھی کسی بڑی شئے کو دیکھتا ہے تو اس کی نگاہ میں یہ تصور اس چیز کو نگاہوں سے گرا دیتا ہے، بلاشبہ "اللہ اکبر" کے کلمہ میں الٰہی راز نہاں ہیں۔ لیکن افسوس کہ لوگ عجمی ہو گئے ہیں، وہ اس کے صرف حروف کو بغیر اس کے معنی کے گہرائیوں تک پہنچے دہراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان پر ضروری قرار دیا ہے کہ وہ اس کلمہ کو ہر روز کم از کم ۸۵ مرتبہ زبان سے ادا کرے اور اس طرح اذان میں ۳۰ مرتبہ سنے۔ یہ چیز اس کے دل

میں یہ تصور جاگزین کر دیتی ہے کہ دنیا میں کوئی بھی چیز بڑی نہیں اور جس شخص کو خدا کی معیت حاصل ہو جائے اسے کسی چیز کی پرواہ نہیں ہوتی، نہ بادشاہ کے خوف کی اور نہ مرض کے ڈر کی، پس اگر کوئی بندۂ مومن اس کلمہ کو اس کے معنی اور حقیقت کو سمجھ کر ادا کرے تو اسے کاہلی کبھی لاحق نہیں ہو سکتی۔"

"اے آقا! اگر اس کو بادشاہ قتل کر دے، مجلس کے کنارے بیٹھے ہوئے ایک شخص کی آواز بلند ہوئی۔

"سبحان اللہ" شیخ پوری طمانیت اور سکینت سے گویا ہوئے۔ "کیا مسلمان بھی قتل سے خوفزدہ ہوتا ہے یا موت کو ناپسند کرتا ہے؟

بیشک موت ایک سخت چیز ہے۔ اس لیے کہ وہ لذتوں کے خاتمہ اور دنیا کی ناکامی کا باعث ہے لیکن موت کا یہ تصور تو کافر کے نزدیک ہے جو دنیا سے لذت اندوز ہوتا ہے۔ لیکن وہ لوگ جو اس دنیا میں ابدی زندگی کے لیے تیاری کرتے ہیں اور اس میں پابہ رکاب سفر شخص کی طرح زندگی گذارتے ہیں۔ ان کے نزدیک موت کی کوئی حقیقت نہیں، وہ تو اسے حیاتِ نو سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہم نے اپنے اسلاف سے سُنا ہے کہ سب سے افضل شہید وہ ہے جو جابر حاکم کے سامنے سچی بات کر گزرے اور اس کی پاداش میں اسے قتل کر دیا جائے۔"

شیخ پاشا کے وجود سے بے خبر جو مجلس کے کنارے انتہائی نخوت وغرور کی حالت میں کھڑا تھا معارف وحکم کے دریا رواں کیے ہوئے تھے اچانک شیخ کی نظر اس پر پڑ گئی لیکن انھوں نے ایک عامی سے زیادہ اسے کوئی اہمیت نہ دی اور آپ کا چہرہ بشرہ پر کسی قسم کی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ صرف حسبِ معمول اشارہ سے اسے بیٹھ جانے کو کہا۔ پاشا "قہر درویش برجانِ درویش" کے مصداق بیٹھ جانے پر مجبور ہو گیا۔

پاشا نے اپنی نگاہ کو حاضرینِ مجلس میں گردش دے کر ان کا وہ جائزہ لیا، وہ اپنی اس گمشدہ تعظیم وتکریم کا متلاشی تھا، جس کا وہ توقع مند تھا کہ لوگ اس کی آمد سے سروقامت کھڑے ہو کر آدابِ شاہی

بجالائیں گے۔ شاید اسے معلوم نہ تھا کہ "یہ لوگ" اب "وہ" نہیں رہے، بلکہ شیخ کی نظر کیمیا اثر نے انھیں قبولیت و عرفانیت کی اتنی بلندیوں پر پہنچا دیا ہے جہاں سے وہ پوری دنیا پر ایک طائرانہ نگاہ ڈال سکتے ہیں اور ہر چیز ان کی نگاہ میں انتہائی حقیر معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے وہ عظیم پاشا کو بھی صرف ایک چیونٹی ہی کے مانند سمجھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ چیونٹی کی کون پرواہ کرتا ہے۔

بالآخر پاشا کی نگاہ گھومتے گھومتے شیخ کے پیر پر آکر رک گئی جو اسی کی جانب پھیلا ہوا تھا، اس سے اس کے نخوت و غرور کو انتہائی ٹھیس پہنچی اور اسے اس نے اپنی ہتک متصوّر کیا۔ اس نے حاضرین مجلس پر نظر ڈالی کہ کیا کوئی اس جرأتِ رندانہ کے خلاف تلوار بے نیام کرتا ہے؟ اور بات سے تقرب حاصل کرنے کے لیے اسے کاٹ کر کیفرِ کردار کو پہنچاتا ہے؟ لیکن پاشا یہ سب اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اور ابھی تک اس کی باطن وا نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے وہ اپنے محل سرائے اور تخت شاہی کو شیخ کی قیام گاہ اور چٹائی پر فوقیت دے رہا تھا اور اپنے اعوان و سپاہ کو شیخ کے تلامذہ کو نگاہ حقارت سے دیکھ رہا تھا۔ اُس وقت اس کی مثال بالکل ویسی ہی تھی جیسے لوگوں کے بیان کے مطابق کوئی ایک ہلاکت خیز توپ کے پاس سے گذرا جو اس کے مانند کے پاس لگی ہوئی تھی، اس نے اس پر انتہائی حقارت آمیز نگاہ ڈالتے ہوئے ازراہ تمسخر کہا۔

"ارے تم کون جانور ہو؟ ہائے کتنی کمزور سی چیز ہے؟ دانت کہاں؟ اور جبڑے کدھر؟ وغیرہ وغیرہ" یہ کہتے ہوئے اس کو ٹھوکر ماری اور وہ ایک دم درغ گئی، بالکل اسی طرح شیخ کے منہ سے توپ کا گولہ چھوٹ پڑا اور انھوں نے کہنا شروع کیا۔

"انسان کے اندر خدا کی صنعت کی عجیب و غریب نشانیاں ہیں۔ اس نے انسان کو ایک حیوان کی مانند پیدا کیا، لیکن اسی کے ایک فرشتہ اور شیطان بھی لگا دیا، پس جو شخص اس دنیا کی صرف دو لذتوں ہی میں مست ہو جائے۔ پیٹ اور خواہش نفسانی کی تسکین، تو وہی حیوان ہے۔ اور جو شخص برائیوں کا احساس ہی کھو دے وہ شیطان ہے، اور سانپ اور بچھو بھی اس سے اچھے ہیں کہ ان کا ٹھکانا مٹی ہے مگر انسان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اور جو شخص زندگی کو اس طرح

گذارے جس طرح ایک طالب علم مدرسہ میں زندگی گذارتا ہے۔ اس میں کمال کے طریقوں کو سیکھتا ہے، تو وہی صحیح معنوں میں انسان ہے۔

یہ بھی عجائبات قدرت میں سے ہے کہ اس نے انسان کے ساتھ ایک فرشتہ بھی مقرر کر دیا ہے جو اس کو برائیوں میں مبتلا ہونے سے متنبہ کرتا رہتا ہے، اور اس کو صحیح راستہ پر چلاتا ہے۔

جنت صرف خواہش اور تمنا کرنے سے حاصل نہیں ہوتی ہے بلکہ کوشش اور علمی جدوجہد سے ملتی ہے، جیسے کوئی طالب علم اپنا پورا تعلیمی سال لہو ولعب میں کھودے اور بایں ہمہ کامیابی کی تمنا کرے تو کیا وہ کامیاب ہو جائے گا، یا کوئی شکاری اپنی بندوق کو پھینک دے اور جال نہ لگائے۔ اور پھر بھی شکار کے خواب دیکھے تو کیا اس کا خواب ہرن کا پیچھا کر کے اس کا شکار کریں گے یا مچھلی اپنے ساتھ نمک مرچ لا کر اس سے کہے گی کہ مجھے نوش فرمایئے۔"

"لیکن شیخ!" حاضرین میں سے ایک شخص نے سوال کیا۔ "دلوں میں قساوت پیدا ہوگئی ہے اس کا کیا علاج ہے؟"

شیخ نے سلسلہ کلام کی کڑیاں ملاتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"بیشک شیطان انسان کو اس کا کمال محسوس کراتا ہے، لہٰذا نفس کو اپنی کوتاہیاں اور لغزشیں یاد دلاؤ اور صحت کی حالت میں اسے مرض یاد کراؤ۔ ہم نے اپنے مشائخ سے سنا ہے کہ جب قلب میں سختی پیدا ہو جائے تو اسپتال میں پہنچ جاؤ یا قبرستان کا رخ کرو اور وہاں اپنے نفس کو مرض کا خوف دلاؤ اور موت کی یاد میں مبتلا کرو، جب تک مومن رجا و خوف کے درمیان رہتا ہے، تب تک، اس کی حالت بہتر رہتی ہے اور جب یہ دونوں حالتیں ختم ہو جائیں تو وہیں وہ بہک جاتا ہے۔ اور ہم نے سنا ہے کہ بعض لوگ اپنے ہاتھ کو چراغ کی لو سے قریب کرتے تھے کہ اے نفس! جب تو اس معمولی آگ کو برداشت نہیں کر سکتا تو ہلاکت ہو تو آتش جہنم کی تاب برداشت کہاں سے لائے گا؟ مومن کے دل میں جب بھی شہوت نفسانی پیدا ہوتی ہے وہ اسے جنت کی لہروں سے بجھا دیتا ہے یا جہنم کی آگ اسے خاکستر کر دیتی ہے تو اسے راحت نصیب ہو جاتی ہے۔

اگر عقل نہ ہو تو انسان کی حیثیت کیا ہے؟ اور عقل بھی کس کام کی، اگر اس کے ساتھ دولت ایمان نہ ہو، بلاشبہ انسان کی آفرینش ایک قطرۂ نجس سے ہوئی اور اس کا انجام بھی ایک گندے لاشے پر ہوگا بادشاہ اس دنیا کی لذتوں کے نشہ میں سرمست ہے، اس کو اللہ کے مقابلہ میں اپنے ضعف و عجز کا احساس رکھنا چاہیے۔ خدا نے بڑے باجبروت بادشاہ نمرود کو اپنی سب سے ضعیف و حقیر مخلوق مچھر کے ذریعہ ہلاک کر دیا۔

"لہٰذا انسان کو اپنی اصل و انتہا کو نہ بھولنا چاہیے جو مٹی ہے۔"

شیخ کوہ آتش فشاں کی طرح پھٹے جا رہے تھے، اور بلا خوف لومۃ لائم حکمتوں اور نصیحتوں کو بیان کیئے جا رہے تھے۔ پاشا موصوف کی حالت میں اتنی ہی دیر میں ایک عظیم انقلاب رونما ہو گیا، جیسے پہلے وہ کسی صندوق میں بند تھا۔ پھر اس نے اپنی آنکھیں کھولیں تو بادِ نسیم کے خوشگوار جھونکے محسوس ہوئے تو گویا گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں تھا۔ پس شیخ نے اس کے سامنے روشن آفتاب لا کر رکھ دیا۔ شدت تاثر سے پاشا دو زانو بیٹھ گیا اور اب وہ اپنے کو تمام حاضرین سے فروتر تصور کرنے لگا تھا۔

راوی کا بیان ہے کہ جب پاشا چلا گیا تو اس نے قصر شاہی سے ایک ہزار اشرفیوں کی تھیلی شیخ کے پاس بطور نذرانہ بھجوائی، جب قاصد اسے لے کر شیخ کے سامنے لایا تو اسے دیکھ کر تبسم ریز ہوئے اور یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ:۔

"اپنے آقا سے جا کر سلام کہہ دو کہ جو شخص پیر پھیلاتا ہے وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا۔"